مولانا محمد اسعد مدنی صدر جمعیۃ العلمائے ہند

تحریکِ ریشمی رومال

اور

اس میں

کون کیا تھا؟

مولانا عزیر گل، اسیر مالٹا کا مثالی کردار

دستاویزی ریکارڈ کا پیش لفظ

حضرت شیخ الہند کی عالمگیر تحریک آزادی کے بارہ میں انڈیا آفس لائبریری لندن میں محکمہ ہند اور سی آئی ڈی کی کارگذاریوں پر مشتمل محفوظ ریکارڈ کو پچھلے دنوں برصغیر کے مشہور مورخ مولانا سید محمد میاں دہلوی مرحوم کی تنقیح و ترتیب اور مبسوط مقدمہ کے ساتھ "تحریک شیخ الہندؒ" میں کون کیا تھا۔؟ کے نام سے بھارت میں شائع کیا گیا، کتاب کی اہمیت کے پیش نظر انڈین صدر جناب فخر الدین علی احمد نے ایوان صدارت میں سینکڑوں منتخب مدعوین (جس میں وزیر اعظم اور دیگر عمائدین بھی شامل تھے۔) کے ساتھ اس عظیم الشان دستاویزی کتاب کا افتتاح کیا۔ اور ملک بھر کے ذرائع ابلاغ نے اس تقریب کے ضمن میں علمائے دیوبند کے جہادِ آزادی کے اس سنہرے باب "ریشمی رومال" کی تشہیر کی اس کتاب کا پیش لفظ تحریک شیخ الہندؒ کے اولو العزم مجاہد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے فرزند رشید مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ العلمائے ہند نے لکھا ہے۔ اور بڑی مسرت کی بات ہے کہ اب یہ پوری کتاب نہایت آب و تاب سے مکتبۂ رشیدیہ لمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور نے بھی شائع کر دی ہے۔ تعارف کتاب کیلئے مولانا محمد اسعد مدنی کا پیش لفظ ہدیۂ قارئین ہے۔

"ادارہ"

سیدنا و مولانا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز جن کی تحریک پیش نظر کتاب کا موضوع ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ بانی دار العلوم دیوبند کے وہ تلمیذ رشید تھے جو صرف حلقۂ درس میں شریک نہیں رہے، بلکہ ایک فرزند رشید کی طرح عنفوان شباب ہی سے آپ کے جذبات و رجحانات کی تربیت بھی حضرت حجۃ الاسلام کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ ابھی عمر عزیز کے

۱۰ یا ۱۱ مرحلے طے ہوئے ہوں گے۔ ابھی حضرت نانوتویؒ نے دیوبند کو اپنا مستقر بھی نہیں بنایا تھا، آپ کا قیام میرٹھ یا دہلی ہی میں رہتا تھا کہ "شیخ الہند" خطاب پانے والا نونہال، حجۃ الاسلام کے دامن سے وابستہ ہوگیا۔ اس وابستگی نے گرویدگی کی صورت اختیار کرلی، یہی گرویدگی تھی کہ آپ نہ صرف حضر میں بلکہ سفر میں بھی حضرت حجۃ الاسلام کے ساتھ رہتے اور جانفشانہ خدمت سے جذبۂ راحت رسانی کے اضطراب کو تسکین بخشتے۔

یہ حجۃ الاسلام وہی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ تھے جو چند سال پہلے ۱۸۵۷ء / ۱۲۷۳ھ میں یورپ کے سوداگر فروش دغابازوں سے نبرد آزما تھے جو اپنے مکر و فریب اور عہد شکنیوں سے جابر حکمراں اور ستمگر فرمانروا بن گئے تھے۔ نبرد آزمائی کا نتیجہ شکست ہوا۔ مگر اس شکست نے صرف اسلحہ کو کند کر دیا تھا۔ جذبات کو افسردہ نہیں کرسکی تھی بلکہ زیرِ خاکستر چنگاریوں کی طرح ان کی تپش تیز ہو گئی تھی اور طوفانی انقلاب [illegible] ان کی حرارت اور بڑھ گئی تھی۔ تلمیذِ رشید و سعید مولانا محمود حسن کا سینہ حضرت استا کے فیوض و افادات کا گنجینہ تھا۔ ان جذبات کا پر تو اس پر پڑا تو وہ آتشیں شیشہ بن گیا، جوہر اس آبگینہ کو سوزش و تپش کا تحفہ دینے لگا، جس میں عزتِ نفس، خودداری، خود اعتمادی اور استقلال و حریت کی جھلک ہوتی۔ غیرتِ ملی اور حمایت وطن کی حرارت اس کے خون میں وقارِ قومی کی طلب اس کے گوشۂ جگر میں ہوتی۔ گویا اس کی صدا یہ ہو گئی تھی۔ ع

"من قاش فروش دل صد پارہ خویش ام"

یہ قاش فروشی کب شروع ہوئی اور اپنے نصب العین کی شمع سے دلوں کے چراغ والوں کو منور کرنے کی ابتداء کس زمانہ سے ہوئی۔ اس کا کوئی سنہ و سال بتانا مشکل ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ شیخ الہندؒ کے آتشیں شیشہ نے جب حجۃ الاسلام کے آفتاب سے شعاعیں لینی شروع کیں، تب ہی سے ان کی کرنوں کی تقسیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ کرنیں کہاں کہاں پہنچیں اور کن کن حلقوں نے ان کرنوں کو سمیٹا اور کون کون سے حلقے ان کی تپش سے آتش دامان بن گئے ان کی نشاندہی مشکل ہے۔ صرف ایک حلقہ نمایاں ہوا یہ یاغستان کا حلقہ تھا۔

یاغستان یعنی آزاد قبائل میں کام کب سے ہو رہا تھا، ہمارے پاس اس کا بھی صحیح جواب نہیں ہے البتہ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ جب ۱۹۱۵ء میں وہاں پہنچے تو پچاس سالہ کوششوں کا منتشر ثمرہ ان کے سامنے تھا جس کو منظم کرنے کے لئے مولانا سندھیؒ کو وہاں بھیجا گیا تھا۔
اگر ان کوششوں کی عمر پچاس سال تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام کے آخری دور

اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے عہد شباب سے وہاں کام ہو رہا تھا۔

اس علاقہ میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ کی تحریک کو جو حادثہ عظیم پیش آیا تھا، جس نے گویا تحریک کو بے جان کر دیا تھا۔ وہ یاغستان کے متعلق اچھی رائے قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ مگر بقول حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ یہاں کے نوجوانوں میں فوجی صلاحیت تھی۔ جذبۂ جہاد[۱] بھی تھا۔ یہ مقابلہ و مقاتلہ کے عادی تھے۔ اور ان میں حب وطن خودداری اور خود اعتمادی کا وہ جوہر تھا جس نے ان کو ہمیشہ انگریز کے مقابلہ میں صف بستہ رکھا، یہی جذبہ تھا جس کی بنا پر یہ ہمیشہ انگریز کی غلامی کے لئے گردن جھکانے کی بجائے گردنیں کٹوانے کو پسند کرتے رہے۔

تحریک شیخ الہند رحمۃ اللہ کے سلسلہ میں ان کی یہ خوبیاں نمایاں ہوئیں۔ اگر انگریزی فوجیں ان کی سرحد میں داخل ہو گئیں تو ان کا مقابلہ اس شدت و قوت سے کیا کہ ان کی پلٹنیں کی پلٹنیں صاف کر دیں اور یہاں تک پسپا کیا کہ ان کو اپنی چھاؤنیوں میں پناہ لینے پر مجبور[۲] ہونا پڑا پھر ایک دفعہ ہی یہ صورت نہیں ہوئی بلکہ مسلسل یہ ہوتا رہا کہ مقابلہ کرتے اور جب رسد ختم ہو جاتی تو اپنے گاؤں میں جا کر رسد لاتے پھر جہاد[۳] کرتے۔ بے شک کامیابی میسر نہیں آئی مگر ان کی پہلو تہی یا بے وفائی کی بنا پر نہیں بلکہ بین الاقوامی حالات نے جس طرح جرمنی اور ترکوں کو لاچار کر دیا۔ حتیٰ کہ ان کی سلطنتیں ختم ہو گئیں اور ان کے ممالک کے حصے بخرے ہو گئے۔ ان ہی حالات نے ان مجاہدوں کو بھی کامیابی سے محروم کر دیا جو ایسی حالت میں میدان میں آ گئے تھے کہ ان کو پوری طرح تیار ہونے کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا۔

بہر حال اس علاقہ میں ایک عرصہ سے کام ہو رہا تھا، مگر کام کی نوعیت کیا تھی اور کس جگہ کس کی سرکردگی میں کام چل رہا تھا۔ اس کی تفصیلات کا علم نہیں ہو سکا۔ مولانا غلام رسول صاحب مہر کی تحقیق یہ ہے کہ کام کی ابتداء مکاتب[۴] سے ہوتی تھی لیکن مکتب کو کس طرح تحریک کا مرکز بنایا جاتا تھا۔ اور یہ مکتب کہاں کہاں تھے یہ سب پردۂ خفا میں ہیں۔

والد محترم حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ کی تمنا تھی کہ وہ اس علاقہ کا دورہ فرمائیں اور تمام تفصیلات فراہم کریں اور ان سے رابطہ قائم کریں مگر افسوس اس کا موقعہ نہیں مل سکا۔

ہم شکر گذار ہیں جناب مولانا موسیٰ بھائی کرناڈی، طارق جلال صاحب اور ان کے مخلص احباب کے کہ ان کے ذریعہ اس تحریک کے متعلق حکومت ہند اور سی۔ آئی۔ ڈی کی کارگذاریوں کے اس ریکارڈ کا علم میسر آ گیا

---

۱ نقش حیات ص ۲۰۹ ج ۲ — ۲ نقش حیات ص ۱۴۵ و ص ۲۱۰ ج ۲ — ۳ نقش حیات ص ۲۱۲ ج ۲

۴ سرگذشت مجاہدین ص ۵۵۳

جو انڈیا آفس لندن میں محفوظ تھا۔

اس ریکارڈ سے ریشمی خطوط سے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ کچھ افراد کی جدوجہد کا بھی علم ہوتا ہے، مگر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی پوری تحریک کے متعلق پوری معلومات میسر نہیں آتیں۔ بنیادی غلطی یہ ہے۔ کہ سی۔ آئی۔ ڈی نے بانی تحریک مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ کو اور مولانا ابوالکلام آزاد کو قرار دیا ہے سی آئی ڈی کی نظر میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ بانی تحریک نہیں تھے، بلکہ مولانا سندھیؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ان کو متاثر کیا تھا۔ اور آلۂ کار بنالیا تھا سی۔ آئی۔ ڈی نے اپنے اس یقین کی بنیاد پر جو کچھ فراہم کیا وہ ان بزرگوں کے متعلق تو کافی قرار دیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی پوری تحقیق کا مرقع نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے حریم تقدس تک اس کے نظر و فکر کی رسائی ہی نہیں ہوئی تو تحریک کے اصل کارپردازوں اور اُن کی کارگذاری کا صحیح علم تو کیا ہوتا ان کا وہم بھی نہیں ہو سکا۔

دس بارہ سال کا عرصہ ہوا دہلی میں جامع مسجد کے علاقہ میں بم پھینکنے کا سلسلہ چلا غالباً ایک سال تک چلتا رہا دو تین مہینے کے بعد بم پھینک دیا جاتا تھا یہ کیا سازش تھی اور اس کے سرغنہ کون تھے؟ سی۔ آئی۔ ڈی اس کا سراغ لگانے میں ناکام رہی۔ بظاہر اس کا سبب یہی ہے کہ اس کے دماغ پر پاکستان کا ہوا مسلط رہا اور وہ اس کو پاکستانیوں کی حرکت سمجھتی رہی اور جو اس کے دائیں بائیں اسی دہلی کے باشندے ہوں گے۔ ممکن ہے وہ پاکستان کے دشمن اور اکھنڈ بھارت کے حامی ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے ہم مشرب اور ہم پیشہ ہوں، ان کی طرف وہم و گمان بھی نہیں کیا گیا۔ اسی طرح کی صورت حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے سلسلہ میں بھی ہے، جس کو سی۔ آئی۔ ڈی ریشمی خطوط سازش کیس کہتی ہے۔

بہرحال اس ریکارڈ سے یہ حقیقت تو واضح اور ناقابل تردید ہوگئی کہ موجودہ آزادی کو جس جدوجہد کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ ایک جماعت ایسی تھی جو اس سے پہلے سے یہ جدوجہد کر رہی تھی اور اس نے جہاد حریت کے لئے اپنے آپ کو اس وقت وقف کر دیا تھا۔ جب کہ "انڈین نیشنل کانگریس" نے مکمل آزادی تو درکنار "ہوم رول" اور "ڈومنین اسٹیٹس" کا نام بھی نہیں لیا تھا۔ بلکہ حکومت وقت کی رضا جوئی میں مشغول تھی اور عام فضا یہ تھی کہ سروں اور خان بہادروں کا موسم بہار تھا۔ اس وقت اس جماعت نے مکمل آزادی کے لئے جان کی بازی لگا دی تھی۔ "اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔" (آمین)

اس جماعت کے ارکان کی مدح و ستائش یا اُن کی سفارش کرنا ان سطور کا موضوع نہیں ہے جو پیش لفظ کے طور پر لکھی جا رہی ہیں۔ نہ ان میں اس کی گنجائش ہے۔ البتہ اس جماعت کے ایک رکن مولانا عزیر گل صاحب کے متعلق چند کلمات لکھنے ضروری ہیں۔

پاکستان میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ بنام "تحریک ریشمی رومال مولانا حسین احمد" کتاب کے نف میں، مولانا عبدالرحمٰن، اس کتاب میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے یہ گل افشانی کی ہے کہ مولانا عزیر گل ب جاسوسی کیا کرتے تھے۔

اس نفرت انگیز الزام کے ثبوت کے لئے صرف ایک غیر مستند بیان پیش کیا ہے۔ باقی خود ساختہ مدح فرماتے ہیں۔ کتاب کی تحریر کا ایسا انداز ہے کہ گویا حضرت والد صاحب (حضرت مولانا سید حسین احمد نب رحمۃ اللہ) نے خاص خلوتوں میں سربستہ راز ظاہر فرماتے تھے اور عبدالرحمٰن صاحب نے ان کو قلمبند فرما لیا تھا۔

میں سب سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں جو تحریر کے انداز سے پیدا ہوئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ کو نہ اتنی فرصت ملتی تھی اور نہ یہ عادت تھی کہ طلبہ کے ساتھ خاص مجلسیں ہوں وہ چشمۂ فیض اور علم کے دریا تھے، حلقۂ درس میں یہ دریا موجزن ہوتا تھا۔ تشنگانِ علوم وہیں سیراب ہوتے تھے۔ طلبہ کو دعوت دے کر مجلس جمانا یہ ان کا طریقہ نہیں تھا۔ عبدالرحمٰن صاحب کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ باوزن تو کیا ہوتے ایسے بھی نہیں ہیں کہ کسی سنجیدہ مجلس میں ان کا تذکرہ کیا جائے۔ ان کا نام بھی "رسوائے زمانہ" جیسے توہین آمیز خطاب کیساتھ لیا جاتا ہے۔

طلبہ کے حلقہ میں بہت سی باتیں پھیلتی ہیں جو اکثر خود ساختہ ہوتی ہیں جن سے گرمیٔ مجلس کا کام لیا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن صاحب نے انہیں ہفوات کو جمع کر کے بجا طور پر تو یہ نام رکھ دیا ہے: "تحریک ریشمی رومال"

بہرحال نہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی شخصیت قابلِ اعتنا ہے۔ نہ وہ قرائن قابلِ التفات ہیں جن پر مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے اس الزام کی بنیاد رکھی ہے مگر تعجب بھی ہے۔ اور افسوس بھی کہ ایک صاحب جنہوں نے ضرت شیخ الہند پر تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔ جس پر ان کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری دی گئی ہے۔ انہوں نے تقریباً دو صفحے ن ہفوات کو نقل کرنے میں رنگے ہیں اور ان قرائن کے متعلق فرمایا ہے۔ "محلِ غور" ہیں۔

غالباً مقالہ نگار صاحب کے نزدیک تحقیق کے معنی یہی ہیں کہ متضاد قسم کے رطب و یابس جمع کر کے اپنی سے محققانہ فیصلہ کرنے کی بجائے بارِ تحقیق پڑھنے والوں پر ڈال دیں اور فریضۂ غور و فکر اپنے بجائے ہم کے ذمہ کر دیں۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے پیش کردہ قرائن میں سب سے قوی قرینہ یہ ہے کہ مولانا عزیر گل صاحب نے لندن میں ایک میم سے شادی کر لی تھی۔ آپ فرماتے ہیں۔ "کیا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے مسلک کا فدائی نگریز سے رشتہ کر سکتا ہے"

اس قرینہ کا ایک جزو یہ ہے کہ کیا ایک مولوی کی مولویانہ آمدنی سے ایک میم کا تمدن پورا ہو سکتا ہے؟

مولوی عبدالرحمن صاحب یہ قرینہ پیش کر رہے ہیں۔ اور مقالہ نگار صاحب اس کو نقل کر رہے ہیں۔ اور محقق مقالہ نگار صاحب کو یہ یاد نہیں رہا کہ انہوں نے خود اس محققانہ مقالہ میں درج کر دیا ہے کہ یہ نکاح مولانا عزیرگل صاحب کی خواہش پر نہیں بلکہ خود میم صاحب کی خواہش پر ہوا تھا۔[1]

یہ میم صاحبہ نکاح کے بعد رڑکی پھر دیوبند میں بھی کئی سال تک رہیں۔ کہا جاتا تھا کہ ان کا تعلق لندن کے معزز خاندان سے تھا۔ ذی علم اور صاحب مطالعہ تھیں، بیوہ تھیں۔ ان کے پہلے شوہر ہندوستان میں اونچے عہدوں پر رہے تھے لیکن جب اسلام سے مشرف ہوئیں تو زاہدانہ زندگی اختیار کر لی۔ یورپین تمدن کی بجائے دیوبند اور رڑکی کا قصباتی تمدن اپنایا۔ شدت سے پردہ کی پابند ہو گئیں، صوم وصلوٰۃ، اوراد و وظائف اور تلاوت قرآن کریم ان کا مشغلہ تھا۔ تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ قرآن پاک کا ترجمہ بھی انگریزی میں لکھا مگر افسوس طباعت کا انتظام نہیں ہو سکا۔

ایسی خاتون کے متعلق بدظنی گناہ عظیم اور کسی خود ساختہ قرینہ کے لئے ایسی واجب الاحترام خاتون کا نام لینا "لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ" کے تحت حرام ہے۔

مولوی عبدالرحمن صاحب کے سامنے کوئی خیالی عزیر گل ہیں جن کی زندگی بلند پایہ دولت مندی کی سی رہی کیونکہ شیخ الہند رحمۃ اللہ کے رفیق اسیر مالٹا عزیر گل جن کا تعلق والد صاحب رحمۃ اللہ سے برادرانہ تھا۔ اور بڑے بھائی بھائی کیطرح حضرت بھی ان پر شفقت فرماتے اور عزت کے حق تکفل بھی فرماتے تھے۔ ان کی زندگی تو ہمیشہ درویشانہ بلکہ طالب علمانہ رہی نہایت سادہ بے تکلف۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کی نشست گاہ میں رہا کرتے تھے پھر مسجد یا مدرسہ کے حجرہ یا کرایہ کے مکان میں زندگی بسر کی کوٹھی یا پختہ مکان تو کیا، اپنے لئے جھونپڑی بھی نہیں بنائی۔

۱۹۱۵ء سے پہلے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے خادم خاص تھے۔ واپس ہوئے تو زمانہ تحریک میں خلافت کمیٹی دیوبند کے صدر رہے۔ کچھ معمولی تجارت بھی کرتے رہے، تنہا تھے، کسی کا خرچ ان کے ذمہ نہیں تھا ایک دفعہ کھجوروں کی ٹال بھی کی۔ اُسی میں بیا اثاثہ ختم کر دیا تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ نے رڑکی کے مدرسہ رحمانیہ میں تقرر کرا دیا عرصہ تک اسی مدرسہ کے صدر مدرس رہے، اسی زمانہ میں میم صاحبہ کی تجسسانہ نظر نے آپ کو زوجیت کیلئے منتخب کر لیا چند سال بعد آپ اپنے وطن تشریف لے گئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ نکاح کا زمانہ ۱۹۲۹ء کے قریب کا ہے۔ جب کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ

---

[1] شیخ الہند مولانا محمود حسن از اقبال حسن خاں ص ۲۳۳۔

کی تحریک کا زمانہ جس میں جاسوسی ہو سکتی تھی۔ اس سے تقریباً پچیس سال پہلے یعنی ۱۹۱۴-۱۵ء کا تھا۔
قرائن کے سلسلہ میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے دو مجلسوں کا ذکر کیا ہے کہ ان کی گفتگو کی خبر حکومت کو ہو گئی اور آپ کا خیال یہ ہے کہ شرکاء مجلس میں صرف مولانا عزیرگل صاحب ہی ایسے تھے جن کے ذریعہ خبر پہنچ سکتی تھی۔ سوال یہ ہے کہ جن کارروائیوں میں مولانا عزیرگل صاحب نہیں تھے اور حکومت کے پاس ان کا بھی ریکارڈ تھا۔ ان کی خبر کس نے پہنچائی۔

حقیقت یہ ہے کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو کسی وجہ سے ذاتی طور پر حضرت مولانا عزیرگل صاحب سے کاوش ہے اسی لئے وہ توہمات کو قرائن دے رہے ہیں۔ اور اس میں خود اپنی ناتجربہ کاری اور ناواقفیت کی دلیل بھی پیش کر رہے ہیں۔ خبر پہنچانے کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مجلس کا کوئی شریک ہی خبر پہنچائے۔ شرکاء مجلس کے دوسرے لوگوں سے بھی ذاتی تعلقات اس درجہ کے ہوتے ہیں کہ وہ ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ ان کے سامنے کوئی جملہ بے احتیاطی اور بے خیالی میں نکل گیا تو وہ اسی کی خبر بنا کر جہاں چاہتے ہیں، پہنچا دیتے ہیں۔ ہر بڑے شخص کے ساتھ ایسے لوگ لگے رہتے ہیں۔ مولانا عزیرگل صاحب کا ماحول بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوگا۔ اس الزام کو مولانا عزیرگل صاحب کے سر تھوپنا عناد اور کینہ پروری کی دلیل ہے۔

جن صاحب کے بیان کو مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے شہادت میں پیش کیا ہے۔ اوّل تو خود ان کی شخصیت غیر معروف ہے۔ پھر وہ ایسے شخص کی روایت پیش فرما رہے ہیں۔ جو مولانا عزیرگل صاحب کو پہچانتا نہیں تھا۔ صرف اس بناء پر وہ ایک شخص کو عزیرگل قرار دے رہا ہے کہ وہ پشتو بولتا تھا۔ گویا ہر پشتو بولنے والا عزیرگل ——— بہرحال عبدالرحمٰن صاحب کوئی سنجیدہ اور قابل اعتنا شخص نہیں ہیں، کہ ان کی باتوں کا خیال کیا جائے۔ تعجب ہے کہ مقالہ نگار صاحب نے ان لغویات کو اہمیت دی اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ نے جس طرح مولانا عزیرگل صاحب کی توثیق کی ہے۔ اور ان کی فداکارانہ خدمات بیان کی ہیں، ان کو اپنے مقالہ میں دو جگہ ص۳۵۲ اور ص۳۵۹ پر نقل کیا مگر ان پر اعتماد نہیں کیا۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس تحریک کے متعلق سی۔ آئی۔ ڈی کا ریکارڈ سامنے آیا تو اس میں بھی وہی ہے جو حضرت والد صاحبؒ نے نقش حیات میں تحریر فرمایا ہے۔ پورے ریکارڈ کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ اسی کے پیش لفظ کے طور پر یہ سطور لکھی جا رہی ہیں۔ اس کے دوسرے حصہ میں "کون کیا ہے؟" کے تحت میں نمبر ۶۹ ملاحظہ فرمایئے بقول مولانا عبدالرحمٰن صاحب، حضرت مولانا عزیرگل صاحب جن کے لئے جاسوسی کیا کرتے تھے وہی لکھ رہے ہیں۔ "جب سے وہ دیوبند میں تھا تب ہی سے مولانا محمود حسنؒ

باقی ص۵۸ پر